بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِشارات

ربیع الاول اور ربیع الثانی کے دونوں مہینے مجھ پر سخت جسمانی تکلیفوں کے ساتھ گذرے۔ ربیع الاول کا پرچہ طبیعت پر جبر کرکے حسبِ دستور مرتب کیا۔ مگر بیماری کی محنت نے دل اور دماغ پر ایسا برا اثر کیا کہ ربیع الثانی کے پرچے میں اشارات اور نقد و نظر کے سوا اور کچھ نہ لکھ سکا۔ جو مضامین مسلسل شایع ہو رہے تھے ان کا سلسلہ مجبوراً توڑنا پڑا۔ اور حل طلب مسائل جو آئے ہوئے تھے ان پر بھی کچھ نہ لکھا جا سکا۔ میں جانتا ہوں کہ اس سے "ترجمان القرآن" کے ناظرین کو تکلیف ہوئی ہوگی۔ مگر مجھے امید ہے کہ میری مجبوریوں کی طرف نظر کرتے ہوئے وہ مجھے معاف کر دیں گے۔ میں امکانی حد تک کوشش کرتا ہوں کہ رسالے کو بہتر سے بہتر مرتب کروں، اور مفید مضامین فراہم کروں۔ مگر افسوس ہے کہ چند مخلص احباب کے سوا کوئی میری مدد کرنے والا نہیں ہے۔ ہندوستان کے اہل علم جو اعلیٰ معیار کے مضامین لکھ سکتے ہیں، کوئی توجہ نہیں فرماتے۔ اور دست سوال دراز کرنے کی مجھے عادت نہیں، ناچار خود ہی جو کچھ بن پڑتا ہے، کرتا ہوں، اور جب تک دل و دماغ کی قوتیں ساتھ دیں گی، کیے جاؤں گا۔ جس خدا نے مجھ جیسے ایک عاجز اور حقیر بندے کو اس خدمت پر لگا لیا ہے اسی سے امید ہے کہ یا تو مجھے تنہا خدمت بجا لانے کی قوت عطا کرے گا یا میرے لئے چند مددگار پیدا کر دے گا۔ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۔

بعض احباب کا تقاضا ہے کہ "ترجمان القرآن" کو ابواب میں تقسیم کر دیا جائے۔ اور مستقل عنوانات کے تحت

مضامین درج کئے جایا کریں۔ مجھے خود بھی ابتدا سے اس ضرورت کا احساس تھا۔ مگر مضامین کی قلت اس طریق ترتیب کو اختیار کرنے میں مانع تھی گو یہ مشکل اب بھی باقی ہے مگر اس کی وجہ سے رسالے کی اصلاح وترقی میں مزید تعویق مناسب نہیں معلوم ہوتی۔ لہذا اس مہینے سے نئی ترتیب کی ابتدا کی جاتی ہے۔ اب اس رسالے کے مستقل ابواب حسب ذیل ہونگے

اشارات۔

مقالات۔

تنزیل وتاویل اس باب میں تفسیری مباحث درج کئے جائیں گے۔

حاملان قرآن یہ باب مفسرین کے احوال اور قرآن مجید کی خدمت کے سلسلہ میں ان کے کارناموں کے بیان پر مشتمل ہوگا۔

رسائل ومسائل مراسلہ نگاروں کے شکوک وشبہات اور ان کے جوابات اس باب میں درج کئے جائیں گے

تقریظ وانتقاد۔ اس باب میں خاص خاص کتابوں پر مفصل تبصرے ہونگے۔

مطبوعات۔ یہ باب مختصر تبصروں کے لئے مختص ہوگا۔

اس سلسلہ میں اگر ناظرین "ترجمان القرآن" کسی اور چیز کی ضرورت محسوس کرتے ہوں تو اپنے خیالات سے مجھے مطلع فرمائیں۔ اصلاح وترقی کی ہر مناسب تجویز شکریہ کے ساتھ قبول کی جائیگی۔

جب سے ان صفحات میں حدیث کی بحث چھڑی ہے میرے پاس پیہم خطوط آرہے ہیں جن میں طرح طرح کے شبہات پیش کئے جاتے ہیں معترضین کی کثرت اور ان شبہات پر غور کرنے سے میں جن نتائج پر پہنچا ہوں ان کو اختصار کے ساتھ بیان کئے دیتا ہوں۔

پہلی خرابی جس کا ہماری نئی نسلوں کو گمراہ کرنے میں بڑا حصہ ہے، ہمارے علما اور واعظین کی بے احتیاطی ہے! افسوس ہے کہ یہ حضرات زمانے کے رنگ کو نہیں سمجھتے۔ نہ سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جدید تعلیم اور جدید تہذیب نے

خیالات اور طبائع میں جو عظیم الشان انقلاب برپا کر دیا ہے، اس کی اہمیت اور معنویت کو انھوں نے صرف یہی نہیں کہ محسوس نہیں کیا، بلکہ اس کے ساتھ ایک حقارت آمیز بے اعتنائی کا رویہ اختیار کر رکھا ہے وہ اپنی تحریروں اور تقریروں میں اب تک وہی باتیں لکھتے اور کہتے چلے جا رہے ہیں جو اب سے سو برس پہلے کے لوگوں کو متاثر کر سکتی تھیں، مگر آج کل کے دماغوں پر اثر ڈالنے کے بجائے ان کو الٹا آمادۂ بغاوت کر دیتی ہیں۔ اسلام اور اس کے اصول و قوانین، قرآن حکیم اور اس کی تعلیمات سنت رسولؐ اور اس کی ہدایات میں آج جتنے شبہات پیدا ہو رہے ہیں، ان کا بیشتر حصہ اصل ماخذ سے نہیں بلکہ انہی غلط تحریروں اور تقریروں سے پیدا ہوا ہے۔

قرآن حکیم کی تفسیر ہو یا سیرت رسول اکرم کا بیان یا تعلیمات اسلام کی تشریح، ہر چیز میں آپ دیکھیں گے کہ تقریر کا بیشتر حصہ ضعیف اور موضوع روایات پر مشتمل ہوتا ہے۔ اور جو تھوڑی بہت صحیح روایتیں بیان کی بھی جاتی ہیں، ان کو پیش کرنے کا انداز ایسا ہوتا ہے، جس سے صاف اور سیدھی سی بات بھی ایک چیستان بن کر رہ جاتی ہے۔ عوام کی عجائب پسندی اور توہم پرستی کو آسودہ کرنے کے لئے یہ طریقہ خواہ کتنا ہی کارگر ہو لیکن اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سننے والے ایک مولوی کی زبان سے موضوع اور ضعیف روایتوں کو سن کر صحیح سمجھنے لگتے ہیں، اور آیات قرآنی و احادیث نبوی کے انہی معانی کو مستند و معتبر قرار دیتے ہیں جو مولوی صاحب نے بیان کئے ہیں پھر انہی معلومات کی بنیاد پر وہ قرآن و حدیث کے متعلق رائے قائم کرتے ہیں۔ اگر نئی روشنی کا اثر دماغ پر زیادہ پڑ چکا ہے تو کوئی شے ان کو اس نتیجہ تک پہنچنے سے نہیں روک سکتی کہ اسلام بھی مذاہب باطلہ کی طرح خرافات اور توہمات کا مجموعہ ہے۔ اور اگر نئی روشنی کے ساتھ ایمان کا تھوڑا بہت نور بھی دل میں باقی ہوتا ہے تو نفس اسلام کے خلاف تو کوئی فتویٰ صادر کرنے کی جرأت نہیں ہوتی، البتہ قرآن اور حدیث اور فقہ، اور عقائد، اور عبادات و معاملات کے متعلق طرح طرح کے شبہات ابھرتے ہیں، اور ایک ایسی بے چینی قلب و روح میں پیدا ہو جاتی ہے جس کے اثر سے ایمان اور عمل دونوں پر شدید اضمحلال طاری ہو جاتا ہے۔

دوسری خرابی جو اپنی اہمیت کے لحاظ سے پہلی خرابی کے مقابلہ میں کچھ کم نہیں ہے۔ خود اس گروہ میں موجود ہے جو اپنے آپ کو "تعلیمیافتہ" کہتا اور سمجھتا ہے۔ ان حضرات کو عقلیت کا بڑا دعویٰ ہے لیکن مذہب کے معاملہ میں جو روش انہوں نے اختیار کی ہے وہ سراسر عقل کے خلاف ہے، اور اتنے متناقض اصول اس میں جمع ہو گئے ہیں جن کے مجموعہ کو عقلیت سے موسوم کرنا عقلیت کو بے عقلیت کا ہم معنی بنا دینا ہے۔ عقلیت کا اصل الاصول یہ ہے کہ کسی مسئلہ میں کوئی رائے تحقیق کے بغیر قائم نہ کیجائے اور تحقیق کے معنی یہ ہیں کہ انسان دوسروں کی رائے اور دوسروں کے بیان پر اعتماد کرنے کے بجائے خود اپنی کوشش سے حقیقت کا سراغ لگائے، اور جس بات کی حقیقت وہ معلوم کرنا چاہتا ہے، اس کے متعلق زیادہ سے زیادہ صحیح و معتبر ذرائع معلومات فراہم کرکے ان سے بات کی تہ تک پہنچنے کی کوشش کرے۔ پھر ایک صاحب عقل محقق کی شان یہ ہے کہ وہ وہم و گمان اور شک و شبہ پر اپنی رائے کی بنیاد نہیں رکھتا، بلکہ ہمیشہ رائے قائم کرنے کے لئے ایسی معلومات تلاش کرتا ہے جن پر وہ وثوق کے ساتھ اعتماد کر سکتا ہے لیکن ہمارے نام نہاد عقلیین کا حال یہ ہے کہ مذہب کے متعلق جو مستند ذرائع معلومات موجود ہیں ان کو ہاتھ نہیں لگاتے، حقیقت کی چھان بین میں وقت اور محنت صرف کرنے پر تیار نہیں، چند سنی سنائی باتوں اور چند کتابوں کے سرسری مطالعہ سے جو سطحی معلومات ان کو حاصل ہو جاتی ہیں انہی پر اعتماد کرکے رائے قائم کر لیتے ہیں، اور پھر اس رائے کو بلا تکلف شائع کر دیتے ہیں، تاکہ خود جن شبہات میں مبتلا ہوئے ہیں ان میں دوسرے بھی گرفتار ہو جائیں۔

مذہب کے مسائل میں ان حضرات کے طرز عمل، خیالات، اور اقوال کا جو حال ہے اس پر اگر وہ خود غور کریں تو انھیں آپ ہی اپنی غیر معقولیت کا احساس ہو جائے۔ انھوں نے خود ہی دین کے علم اور دین کے معاملات کو ایک الگ گروہ کے لئے چھوڑ کر اسلام میں پادریت اور برہمنیت کی طرح "مولویت" Priesthood کی بنا ڈالی، انھوں نے خود ہی اپنی دنیا کا دائرہ دین کے دائرے سے الگ کر لیا، اور آپ ہی دنیا کے علوم

اور معاملات میں منہمک ہو کر دین کے علم اور اس کے معاملات سے بے تعلق ہو گئے۔ یہ تفریق اسلام میں نہ تھی۔ اسلام نے تو دین کے علم کو دنیوی علوم کے لئے رہنما، اور دینی اعمال کو دنیوی معاملات کے لئے مصلح قرار دیا تھا۔ اسلام کا تو اصل مقصد یہی تھا کہ قرآن کی شمع ہدایت تمہارے ہاتھ میں ہو اور اس کو لئے ہوئے تم خدا کی خدائی میں ہر طرف علم صحیح کی جستجو کرو۔ قرآن کا قانون اور رسول اکرم کا اسوۂ حسنہ تمہارے سامنے ہو اور اسی کے سانچے میں تمہاری زندگی کے سارے معاملات ڈھل جائیں مگر تم نے قرآن اور سنتِ رسول کو تو ایک ایسے گروہ کے حوالہ کیا جس کو دنیوی علوم اور دنیوی معاملات سے کچھ سروکار نہ تھا، اور خود اس نور ہدایت اور اس قانون کے بغیر علم و عمل کے میدانوں میں سفر شروع کر دیا۔ اس کا لازمی نتیجہ وہی ہوا جو دین اور دنیا کی اس غیر فطری تفریق کا ہونا چاہئے تھا۔ تمہارے افکار اور اعمال اسلامی فکر و عمل سے بہت دور ہٹ گئے۔ تمہارے دماغوں پر غیر اسلامی تخیلات اور تمہاری زندگی کے معاملات پر غیر اسلامی قوانین غالب آگئے۔ تمہارا قافلۂ کعبہ کی سمت کو چھوڑ کر ترکستان کی طرف نکل گیا اور بہت دور نکل گیا۔ ایک طرف تم ہو کہ علم و عمل کی راہوں میں گرم سفر ہو، مگر تمہارے پاس کتاب اللہ و سنت رسول کی شمع ہدایت نہیں ہے۔ دوسری طرف تمہارے علما ہیں کہ اس شمع ہدایت کو سنبھالے ہوئے ہیں، مگر وہ نہ تو علم و عمل کی منزلوں میں تمہاری رہنمائی کر رہے ہیں اور نہ کر سکتے ہیں، کیونکہ وہ ان منازل کی رسم و راہ سے واقف ہی نہیں ہیں۔ اب جو خرابیاں ظاہر ہو رہی ہیں ان کا سارا الزام تم مولوی کے سر رکھتے ہو۔ حالانکہ مولوی سے زیادہ تم خود قابل الزام ہو۔ تم ہی نے "مولوی" کو مذہب کا ٹھیکا دیا۔ تم ہی نے قرآن پڑھنا اور سمجھنا چھوڑ دیا۔ تم ہی نے سنت رسول سے اپنا رشتہ منقطع کیا۔ تم ہی نے اسلام کے اصول اور قوانین کے علم کو اپنی تعلیم کی اسکیم سے خارج کیا۔ مولوی غریب نے تم سے کب اس کا مطالبہ کیا تھا؟ وہ بیچارہ تو ابتدا سے یہی کہہ رہا ہے کہ دنیوی علوم سیکھتے ہو تو ضرور سیکھو مگر خدارا دین کے علم کو نہ چھوڑو۔

دین اور دنیا کی تفریق کے جو لازمی نتائج تھے وہ جب سامنے آئے تو ہمارے نئے تعلیم یافتہ گروہ میں ایک

بے چینی پیدا ہوگئی، مگر بجائے اس کے کہ وہ اس بے چینی کے اصل سبب کو سمجھتے اور اس کا صحیح علاج کرتے، انہوں نے اسباب کی غلط تشخیص کی اور غلط علاج شروع کر دیا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ وہ اپنی اس کوتاہی کو محسوس کرتے جو علوم دین سے بے بہرہ ہونے کی بدولت پیدا ہوئی تھی اور اس کی تلافی کے لئے سعی کرتے کہ اسی سعی پر اُن کے مرض کا علاج منحصر تھا لیکن اس صحیح راستہ کو چھوڑ کر انہوں نے بالکل غلط راستوں میں اپنی قوتیں صرف کرنی شروع کر دیں وہ قرآن کو صحیح پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے مگر قرآن کی تفسیر و تاویل کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں اور عجیب و غریب نکتہ آفرینیاں کرتے ہیں جن کا قرآن کے علم سے قطعاً کوئی تعلق نہیں۔ انہوں نے حدیث کے علوم سے کچھ بھی حاصل نہیں کیا۔ قرآن اور سنت کے باہمی تعلق کو بالکل نہ سمجھا۔ احادیث کو پرکھنے اور ان سے مسائل اخذ کرنے کے طریقوں کو جاننے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ فقہ کے مآخذ اور اس کے اصول کو معلوم کرنے میں تھوڑا سا بھی وقت صرف نہ کیا، مگر حال یہ ہے کہ ہر شخص ان مسائل پر رائے زنی کرنے کے لئے مستعد ہے کوئی صاحب فقہ پر تبرآزمائی کرتے ہیں اور نہیں جانتے کہ جب تک مسائل فقہ کا کوئی دوسرا بہتر مجموعہ تیار نہ ہو جائے، پرانے مجموعہ کو منسوخ کر دینا بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی احمق ضابطۂ دیوانی و فوجداری کو منسوخ کر دے اور اس کی جگہ کوئی دوسرا ضابطہ نہ بنائے۔ ظاہر ہے کہ ایسی لغویات وہی شخص کر سکتا ہے جو ان قوانین کی اہمیت کو قطعاً نہیں سمجھتا۔ اسی طرح کچھ دوسرے حضرات اٹھتے ہیں اور احادیث پر کلام شروع کر دیتے ہیں۔ کوئی صاحب ہر اس حدیث کو بے تکلف موضوع اور ضعیف قرار دے بیٹھتے ہیں جو ان کی سمجھ میں نہیں آتی حالانکہ کسی حدیث پر وضع یا ضعف کا حکم لگانے کے لئے جن امور کی تحقیق ضروری ہے، ان سے وہ واقف تک نہیں۔ کوئی دوسرے صاحب احادیث کے غلط سلط ترجمے پڑھ کر ان سے عجیب عجیب مسائل کا استنباط کرتے ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے اسلام کی اسپرٹ اور اس کے بنیادی اصول تک کو نہیں سمجھا۔ کوئی اور صاحب نہایت بے فکری کے ساتھ فتویٰ صادر کر دیتے ہیں کہ اسلام کے نظام دینی سے سنت رسول اور آثار صحابہ کو یک سر خارج کر دیا جائے حالانکہ اگر وہ اس دین کے نظام پر تھوڑا سا بھی غور کرتے۔ تو ان پر واضح ہو جاتا کہ داعی اسلام اور ان کے اولین تربیت یافتہ لوگوں کی سیرت اگر اسلام

سے خارج کر دی جائے تو اسلام بہ حیثیت ایک مذہب اور بہ حیثیت ایک تہذیب کے قائم ہی نہیں رہ سکتا۔ یہ سب اجتہاد بالعلم کے نتائج ہیں اور اگر اس کی روک تھام نہ ہوئی تو جو نقصان دین اور دنیا کے الگ ہونے سے مسلمانوں کو پہنچ چکا ہے، اس سے ہزار گنا زیادہ شدید نقصان اس غیر معقول طریقے سے دین میں دنیا کی بے جا مداخلت پہنچادے گی۔

ابھی چند روز ہوئے میرے پاس پنجاب کی ایک اسلامی انجمن کی طرف سے ایک پمفلٹ آیا ہے جس کا عنوان "ضرورت حدیث" ہے لکھنے والے خود انجمن کے سکرٹری صاحب ہیں۔ احادیث پر اصولاً ایمان رکھتے ہیں، حتیٰ کہ آقائے نامدار کے کسی قول سے انکار کرنے والے کو "ملعون" کہنے میں بھی دریغ نہیں کرتے لیکن فرماتے یہ ہیں کہ:

> ارباب غرض اور پیٹ پجاری، اجرت پر کام کرنے والے بیہودہ گوؤں کی ہزلیات (جنہوں نے اسلام کو بدنام کرنے میں غلط باتیں ہمارے بزرگوں کی طرف منسوب کر کے اسلام کو بدنام کیا ہے) ایک لمحہ کے لئے برداشت نہیں کر سکتے، اور ہمارا مطالبہ یہ ہے کہ اسلامی لٹریچر سے ایسی روایات اور ایسے واقعات فوراً نکال دئے جائیں۔ بالخصوص صحیحین کی روایات کے سلسلہ میں جو ہمیں ہر جگہ بدنام کرنے کا باعث ہے، علمائے اہل حدیث فوراً ایک الگ ضمیمہ شائع کریں۔

اس کے بعد مصنف نے ان احادیث کو پیش کیا ہے جو ان کے نزدیک اسلام کو بدنام کرنے والی ہیں اور شکایت کی ہے کہ "ہم مجبوراً مخالفین کے سامنے ان روایات کی وجہ سے لاجواب ہو کر شرمندہ ہوتے ہیں"۔ لطف یہ ہے کہ جو احادیث انہوں نے نقل کی ہیں ان میں سے اکثر صحیح ہیں۔ مگر چونکہ وہ ان احادیث کو نہیں سمجھتے، اور ان علوم کو بیکار سمجھ کر انہوں نے حاصل ہی نہیں کیا جن سے وہ ان کو سمجھ سکتے تھے، اور اس عدم علم کی وجہ سے وہ معترضین کے جواب دینے سے قاصر رہے اور اس قصور نے ان کو شرمندہ کیا۔ اس لئے انہوں نے اپنے قصور کی تلافی کرنے کے بجائے آسان ترین راستہ یہ اختیار فرمایا کہ ان حدیثوں کو "ہزلیات" قرار دیں ان کے راویوں کو جن کی پوری پوری

زندگیاں دین کی خدمت میں صرف ہوئی تھیں "ارباب غرض" "پیٹ پجاری" "اجرت پر کام کرنے والے" "بیہودہ گو" "اسلام کو بدنام کرنے والے" اور ایسی ہی دوسری گالیوں سے یاد کریں، اور مطالبہ فرمائیں کہ ہر اس حدیث کو اسلامی لٹریچر سے خارج کر دیا جائے جس کو کوئی ناواقف مسلمان نہ سمجھ سکتا ہو، اور جس پر دشمنان اسلام کے اعتراضات سُن کر اسے اپنی ناواقفیت کے باعث شرمندہ اور لاجواب ہونا پڑے۔ یہ ان حضرات کی منطق ہے اور یہ اس معقولیت کا ایک ادنیٰ سا نمونہ ہے جس پر یہ حضرات فخر فرماتے ہیں۔

یہاں موقع نہیں کہ ان تمام احادیث پر کلام کیا جا سکے جن کو صاحب موصوف نے پیش فرمایا ہے مگر نمونہ کے طور پر میں صرف ایک حدیث پر بحث کرونگا جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہمارے تعلیم یافتہ حضرات دشمنان اسلام کے کیسے کیسے لغو اعتراضات سے مرعوب ہو کر خود اپنے قلعہ پر پلٹ پڑتے ہیں اور جھنجلا کر اس کی اینٹ سے اینٹ بجا دینا چاہتے ہیں۔ حدیث کو جن الفاظ میں انہوں نے نقل کیا ہے وہ حسب ذیل ہیں:-

"حضور کا فرمانا کہ اذان سُن کر شیطان گوز کرتا ہوا بھاگتا ہے"

اس حدیث کے اصل الفاظ یہ ہیں:-

اذا نودی للصلوٰۃ ادبر الشیطان	جب نماز کے لئے ندا کی جاتی ہے تو شیطان پیٹھ پھیر کر بھاگتا
له ضراط حتی لا یسمع التاذین فاذا	ہے۔ اور اس کے گوز صادر ہوتے ہیں کہ اذان نہ سنے
قضی النداء اقبل حتی اذا ثوب	پھر جب اذان ختم ہوتی ہے تو پلٹ آتا ہے پھر جب نماز
للصلوٰۃ ادبر حتی اذا قضی التثویب	کے لئے تکبیر اقامت کہی جاتی ہے تو پھر بھاگتا ہے اور جب
اقبل حتی یخطر بین المرء و نفسه	تکبیر ختم ہو جاتی ہے تو واپس آجاتا ہے کہ خطرے ڈالے
یقول اذکر کذا لما لم یکن یذکر	آدمی اور اس کے نفس کے درمیان کہتا ہے کہ فلاں
حتی یظل الرجل لا یدری کم صلی	بات یاد کر فلاں بات یاد کر۔ ایسی ایسی باتیں یاد دلاتا ہے

جن کا اس کو نماز سے پہلے خیال تک نہ تھا حتیٰ کہ آدمی بھول جاتا ہے کہ اس نے کتنی رکعتیں پڑھیں۔

حدیث کی روایت میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کی بنا پر وضع یا ضعف کا حکم لگایا جاسکے اس کو امام بخاری نے خفیف سے لفظی تغیر کے ساتھ تین مختلف ابواب میں تین طریقوں سے روایت کیا ہے کتاب الصلوٰۃ باب فضل التاذین میں عبداللہ بن یوسف، مالک، ابوالزناد، اعرج اور ابوہریرہ اس کے راوی ہیں۔ باب تفکر الرجل الشئی فی الصلاۃ میں یحییٰ بن بکیر، لیث، جعفر بن ربیعہ، اعرج اور ابوہریرہ نے اس کو روایت کیا ہے اور کتاب بدء الخلق، باب صفت ابلیس وجنودہ میں محمد بن یوسف، اوزاعی، یحییٰ بن ابی کثیر، ابوسلمہ اور ابوہریرہؓ کے نام اس کے اسناد میں نظر آتے ہیں۔ نسائی نے بھی باب فضل التاذین میں اس روایت کو نقل کیا ہے سلسلۂ اسناد میں قتیبہ اور مالک آئے ہیں مسلم نے بھی باب فضل الاذان میں اس مضمون کی پانچ روایتیں نقل کی ہیں جن میں سے بعض میں لہ ضراط کی جگہ لہ حصاص آیا ہے جس کی تفسیر اصمعی نے شدت فرار سے کی ہے ایک اور حدیث جو مسلم نے جابر سے نقل کی ہے یہ ہے کہ شیطان جب اذان کی آواز سنتا ہے تو روحا تک بھاگتا چلا جاتا ہے روحا ایک مقام ہے مدینہ سے کئی میل کے فاصلہ پر۔

اب رہا متن حدیث تو اس میں جو کچھ ارشاد ہوا ہے اس کی صداقت پر ہر نماز پڑھنے والا گواہی دے سکتا ہے۔ اذان اور تکبیر کی آواز سن کر فی الواقع انسان خدا کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے اور اس وقت کوئی خطرہ اس کے قلب میں نہیں آتا۔ مگر نماز شروع کرتے ہی طرح طرح کے وسوسے آنے لگتے ہیں۔ اس کیفیت کو مختلف پیرایوں میں بیان فرمایا گیا ہے مقصود صرف یہ بتانا تھا کہ اذان کی آواز سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔ اس میں فرار کی شدت کو ظاہر کرنے کے لئے کہیں فرمایا گیا ہے کہ وہ روحا تک بھاگتا چلا جاتا ہے یعنی میلوں تک نہیں ٹھیرتا کہیں وہی مفہوم لہ حصاص کے لفظ سے ادا فرمایا ہے اور کہیں لہ ضراط کہہ کر شدت کے ساتھ کراہت کا بھی اظہار کردیا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے ہم اردو میں کہیں کہ شیطان دُم دبا کر بھاگ جاتا ہے ظاہر ہے کہ یہ محض استعارہ ہوگا۔

اب اگر کوئی شخص اس مجازی کلام کو حقیقت پر محمول کرے اور یہ فرض کرے کہ شیطان واقعی ایک دُم رکھتا ہے اور بھاگتے وقت اس کو ٹانگوں میں دبا لیتا ہے تو یہ قائل کے بیان کا نہیں، سامع کی عقل کا قصور ہوگا۔ اسی طرح شیطان کے گوز کرتے ہوئے بھاگنے سے بھی اگر کوئی شخص یہ سمجھے کہ شیطان واقعی پیٹ رکھتا ہے اور اس میں غذا ہضم ہوتی ہے، اور اس سے ریاح خارج ہوتے ہیں، تو یہ اس بات کا ثبوت ہوگا کہ وہ یکسر کودن آدمی ہے۔ بات کو سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں رکھتا۔ ایسی باتوں پر اعتراض کرنے والے تو محض فتنہ پرداز ہیں، ان کے دلوں پر مہر لگی ہوئی ہے جو انھیں سیدھی سی بات کو بھی سیدھی طرح نہیں سمجھنے دیتی۔ مگر افسوس ان مسلمانوں پر ہے جو ایسے اعتراضات کو سن کر لاجواب اور شرمندہ ہوتے ہیں۔

غور کیجئے کہ صاحب مضمون نے یہ تحقیق کرنے کی کوئی تکلیف گوارا نہ کی کہ حدیث کن طریقوں سے نقل ہوئی ہے؟ سلسلۂ اسناد مسلسل ہے یا منقطع؟ راوی ضعیف ہیں یا ثقہ؟ کن کن ائمہ نے اس کو لیا ہے؟ یہ سب سوالات جن پر حدیث کی صحت یا عدم صحت کا حکم منحصر ہے، ان کے نزدیک محض بے معنی ہیں! انہوں نے تو بس یہ دیکھ لیا کہ حدیث میں شیطان کے گوز صادر کرنے کا ذکر ہے، اور چونکہ یہ ان کے نزدیک شرمناک بات تھی جس پر مخالفین کے سامنے ان کو مجبوراً لاجواب ہو کر شرمندہ ہونا پڑتا تھا، اس لئے بلا تکلف انہوں نے فرض کر لیا کہ اس کو ضرور کسی "پیٹ پجاری" "بیہودہ گو" نے "اسلام کو بدنام کرنے کے لئے" "گھڑ لیا ہوگا"! اور اب اسلام کو بدنامی سے بچانے کے لئے لازم ہے کہ یہ حدیث فوراً اسلامی لٹریچر سے خارج کر دی جائے۔ نعوذ باللہ من ذالک۔ اگر صاحب مضمون کو اصول روایت کے لحاظ سے حدیث پر نقد کرنے کی فرصت نہ تھی، تو کیا اتنی بھی فرصت نہ تھی کہ بخاری شریف میں اصل حدیث نکال کر اس کے پورے الفاظ پڑھ لیتے، اسکے مفہوم و مدعا کو سمجھتے اور عقل سے کام لے کر غور کرتے کہ اس میں شرمناک بات کونسی ہے؟ جو لوگ اسلام کے اصلی ماٰخذ کو پڑھنے اور سمجھنے کے لئے تھوڑا سا وقت بھی نہیں نکال سکتے ان کو یہ حق آخر کہاں سے حاصل ہو گیا ہے کہ اسلام کے وکیل بن کر کھڑے ہوں اور اپنے غریب موکل کی مسل میں سے جتنے ورق چاہیں پھاڑ پھینکیں۔